ڈاکٹر شگفتہ حسین

صدر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی برائے خواتین، ملتان

ایک باغی شہزادی عابدہ سلطان-تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

Dr Shagufta Hussain

Head, Deapartment of Urdu, Govt. College University for Women, Multan

A Rebel Princess: Abida Sultan - A Critical Study

Princess Abida Sultan was the eldest daughter of Nawab Hamidullah Khan, the last Nawab of Bhopal, and the heir apparent of state of Bhopal throne, recognized by the British rulers. Her autobiography "Abida Sultan - Aik Inqalabi Shahzadi Ki Khudnawisht" was published in 2007. This article is a brief analytical study of her character. She has portrayed herself as a "Rebel Princess", but her mutiny was not against the British rule or society or traditions, it was only against her grandmother "Sarkar Amman". After her death the princess enjoyed every moment of her life. She was a player of polo, hockey and squash, and a huntress who killed 72 lions. She was a great admirer of her father and was deeply inspired by him. In 1946, she married her school mate, that incident led to an ugly confrontation between him and his family. Consequently she gave up her right to the throne and opted for Pakistan in 1949. She spent most of her life in Pakistan and died in 2002.

عابدہ سلطان ریاست بھوپال کے آخری نواب حمیداللہ خان کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں جنھیں پندرہ برس کی عمر میں ان کے والد کا جانشین مقرر کیا گیا اور پاکستان ہجرت کرنے تک وہ جانشین ہی رہیں۔ یادداشتوں اور روزناچوں سے مرتبہ ان کی خودنوشت "Memoiers of a Rebel Princess" ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی۔ جسے اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس نے ہی اُردو میں ۲۰۰۷ء میں کراچی سے شائع کیا۔

ہمارے ہاں اُردو ادب میں مردانہ آپ بیتی کے ایک انداز کا نام ''یادوں کی بارات'' ہے اور دوسرے کا نام ''گردِ راہ'' جب کہ خواتین آپ بیتی نگار بھی یا تو ''بری عورت کی کتھا'' ہوتی ہیں یا پھر ''ہم سفر''۔ عابدہ سلطان کی خودنوشت ان کے

روز نامچوں اور یادداشتوں سے مرتب ہوئی ہے، جس کی ترتیب و تعمیر میں ان کے بیٹے شہر یار خان کا حصہ ہے۔ اس لیے یہاں بھی بہت ممکن ہے، بہت سی کہانیاں اَن کہی رہ گئی ہوں اور بہت کچھ ایسا ہو جو زیب داستان کے لیے ضروری ہو۔

عابدہ سلطان کے نام کے ساتھ "Rebel Princess" یا ''انقلابی شہزادی'' کا لاحقہ ایک خوشگوار حیرت میں مبتلا کرتا ہے، لیکن جیسے جیسے آپ خود نوشت کا مطالعہ کرتے جاتے ہیں آپ otherwise بھی سوچنے لگتے ہیں۔ عابدہ سلطان نے اپنی آپ بیتی میں اکثر اپنے باغی، نڈر اور سرکش ہونے کا ذکر کیا ہے، لیکن اگر آپ بھوپال کی تاریخ، حکمران بیگمات آف بھوپال، برطانوی راج سے بھوپالیوں کی وفاداری اور انگریزی تہذیب سے شدید متاثر ہونے اور عابدہ سلطان کے مشاغل کے تناظر میں ان کے باغی یا نڈر ہونے کا جائزہ لیں تو وہ باغی نہیں ایک کھلنڈری شہزادی دکھائی دیتی ہیں۔ انگریزی تہذیب و تمدن کی قربت میں پلی بڑھی کھیلوں اور مہمات کی شائق شہزادی!

بھوپال کی تاریخ یوں تو بہت سے نشیب و فراز سے بھری ہوئی ہے، لیکن ریاست بھوپال کے بانی دوست محمد خان، وزیر محمد خان اور حمید اللہ خان جیسے شجیع مرد حکمرانوں کے ساتھ ساتھ یہاں خواتین حکمرانوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اور اس ریاست کو اپنی دُور اندیشی، فہم و فراست اور منتظمانہ صلاحیتوں سے عروج پر پہنچایا وہ ایک الگ داستان ہے۔ ممولا بائی، قدسیہ بیگم، سکندر بیگم، شاہ جہان بیگم اور سلطان جہاں بیگم ــــ یہ بیگمات بھوپال warriors بھی تھیں اور survivors بھی۔ ان میں سکندر بیگم کو تو مارشل آرٹس کی تربیت بھی دی گئی تھی (۱) اور انھوں نے اپنے دورِ حکومت میں کئی ایک جنگیں بھی لڑیں۔ گھڑ سواری، تلوار بازی، شیروں کا شکار اور ساتھ میں مذہبی اور دنیاوی تعلیم کا اہتمام بیگمات بھوپال کی مشترکہ خوبیاں ہیں۔ ان میں سے ممولا بائی، قدسیہ بیگم، سکندر بیگم نے دورانِ حکومت پردہ کی رسم کی پابندی کرنے سے بھی انکار کیا اور پردہ ترک کر دیا (۲) البتہ آخری بیگم آف بھوپال سلطان جہاں بیگم نے پردے میں رہ کر حکومت کی۔ ہندوستان کی مسلم خواتین کے لیے بھی وہ پردے کی ضرورت پر شدید زور دیتی رہیں۔ انھوں نے ۱۹۲۲ء میں ایک کتاب ''الحجاب'' بھی تحریر کی، لیکن ۱۹۲۸ء میں ۷۰ سال کی عمر میں "as an act of reform" پردہ ترک کر دیا (۳) (گو عابدہ سلطان نے اس پردے کو ترک کرنے کی وجہ ان کے بیٹے کا بہت زیادہ ترغیب دلانا تحریر کیا ہے)۔

بھوپال کی ان بیگمات نے اپنے اپنے دورِ حکومت میں بہت سی عمارتیں بنوائیں، ریلوے کا نظام قائم کیا، مجلس شوریٰ بنائی، درباری زبان فارسی کی جگہ ورنیکلر اردو کو سرکاری زبان قرار دیا، کتابیں تصنیف کیں اور تعلیم نسواں کا اہتمام کیا، وغیرہ وغیرہ۔ مختصر یہ کہ خاتون حکمران ہونے کے باوجود انھوں نے اس دور کے دیگر مرد حکمرانوں کے مقابلے میں بہترین حکمران ہونے کا نہ صرف ثبوت دیا بلکہ بھوپال کو ایک انتہائی خوش حال اور مضبوط ریاست بھی بنا دیا۔

عابدہ سلطان اپنے نڈر اور بہادر ہونے کے اعتبار سے سکندر بیگم کا دوسرا روپ تھیں کیوں کہ انھیں وراثت میں سکندر بیگم کے کردار کی خصوصیات ملی تھیں۔ سرکار برطانیہ سے ان کی دوستی بھی دراصل ان کے اسلاف کی روایت کا ہی تسلسل اور ورثہ تھی۔ اُس وقت جب ہندوستان کی کئی ایک ریاستیں انگریز کے بڑھتے اختیار کے خلاف مزاحمت کر رہی تھیں۔ بھوپال کی ممولا بائی ایسٹ انڈیا کمپنی سے دوستی کے عہد و پیمان باندھ رہی تھیں۔ ۱۸۱۸ء میں عابدہ کے بزرگوں نے انگریز کی subordination کا ایک معاہدہ sign کیا اور ہمیشہ ہمیشہ انگریز کے وفادار رہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں کھل کر

انگریزی فوجوں کا ساتھ دیا بلکہ باغیوں کو گرفتار بھی کرایا۔ یہ کارنامہ سکندر بیگم نے انجام دیا جو بقول عابدہ سلطان:

> اتنی دُور اندیش تھیں کہ انھوں نے ۱۸۵۷ء میں سپاہیوں کی بغاوت میں فاتح کی پشت پناہی کی اس کے بعد سے ہی انھیں بھرپور طاقت ور حکمران اور تاج برطانیہ کے جواہر میں سے ایک چمکتا دمکتا جوہر تسلیم کیا جانے لگا۔ (۴)

صرف یہی نہیں ۱۸۸٦ء میں سلطان جہاں بیگم نے بھی ملکہ وکٹوریہ کو اپنی ''حقیقی ماں'' کے طور پر اپنا لیا تھا اور انگریزوں سے زیادہ انگریز ہونے کا مظاہرہ کیا کرتی تھیں (۵)۔ دل چسپی کی بات یہ ہے کہ ہماری آپ بیتی نگار انگریز سے اس وفاداری اور انگریز کی سرپرستی کا ذکر فخر سے کرتی ہیں ندامت سے نہیں۔

دراصل ۱۸۵۷ء اور ۵۷ء سے پہلے کا دور وہ دور ہے جب ہندوستان تہذیبی تبدیلیوں کے عمل سے گزر رہا تھا۔ ایک کمزور پڑتی مٹتی ہند اسلامی تہذیب پر دوسری طاقت ور ہند یورپی تہذیب غلبہ پا رہی تھی۔ جو معاملہ فہم تھے دور اندیش تھے وہ حالات کی نزاکت کو سمجھ رہے تھے اور حالات کے مطابق ڈھلنے کو تیار تھے اور جو اس کے برعکس عمل کر رہے تھے مٹتے جا رہے تھے۔ بھوپالی بیگمات کی دُور اندیشی اور انگریزی تعلیم وتہذیب کو خوش آمدید کہنے نے بھوپال کو امن وسکون کا گہوارہ بنا دیا۔ عابدہ سلطان اپنی پیدائش ۱۹۱۳ء سے لے کر ۱۹۴۹ء تک بھوپال میں رہیں۔ یہ سرکار برطانیہ کے زوال کا دور ہے، پورا ہندوستان سیاسی ہیجان میں مبتلا تھا، لیکن بھوپال میں ہر طرف امن چین اور سکون کا دور دورہ تھا۔ کم از کم عابدہ کی خودنوشت اور زندگی کے ساتھ ان کا اپنا رویہ یہی بتاتا ہے کہ زندگی ان دنوں کھیل تماشے کے سوا کچھ نہ تھی۔ ہاں جب ان کے والد نے دوسری شادی کر لی تو پھر حالات میں تلخی ضرور اُبھر آئی۔

عابدہ سلطان نے خود کو باغی کہا ہے، لیکن حقیقت میں ان کی بغاوت کا دور بہت مختصر ہے۔ یہ دور ان کے بچپن سے نوجوانی پر محیط ہے۔ یہاں وہ ایک سرکش باغی کی حیثیت سے سامنے آتی ہیں۔ بغاوت کا سبب ہمیشہ جبر ہوتا ہے۔ چار سال چار ماہ چار دن کی بچی کو بچپن کی معصوم نیند سے الصبح نمازِ فجر کی ادائیگی کے لیے اٹھا دیا جاتا تھا۔ یخ بر فیلے پانی سے وضو اور پھر نماز کے بعد قرآن کی تعلیم کا آغاز ____ بقول عابدہ سلطان:

> مجھے اس سال نو کے دن سے جس مشقت اذیت اور پریشانی سے دوچار ہونا پڑا وہ ایک طویل ڈراؤنا خواب تھا جس نے میری شخصیت پر اور زندگی کے بارے میں میرے رویہ پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے۔ (٦)

ان کی دادی بیگم آف بھوپال سلطان جہاں بیگم المعروف سرکار اماں کا رویہ یہاں قطعی کسی مدرسے کے روایتی ملا کا سا تھا۔ قرآن پڑھنے کے دوران ذرا سی غلطی پر آگ بگولہ ہو جانا، چٹکیاں نوچنا، ناک مروڑنا، کان کھینچنا، پپوٹوں کو کھینچنا، سر دیوار سے ٹکرانا ____ ایسی خوفناک سزائیں اور وہ بھی صرف اس لیے کہ مستقبل کی حکمران کی تربیت ہو سکے، لیکن یہیں عابدہ کی بغاوت نے جنم لیا۔ اس کم سنی میں بھی عابدہ سلطان اور سرکار اماں کی قوتِ ارادی کا مقابلہ ہوتا تھا کہ پہلے یا دوسرے طمانچے کے بعد وہ سرکشی پر اُتر آتیں اور پھر کتنا ہی مارا پیٹا جاتا وہ منہ سے ایک لفظ نہیں نکالتی تھیں اور آخر اس مقابلے کا اختتام سرکار اماں کی دست برداری پر ہی ہوتا تھا۔ بغاوت کا یہ سلسلہ عابدہ سلطان کی نوجوانی اور سرکار اماں کی وفات تک چلا۔ ۱۳ سال کی عمر میں عابدہ سلطان نے سرکار اماں کا پہنایا برقع اُتار پھینکا اور ۱۴ سال کی عمر میں اپنے بال مردانہ سٹائل میں کٹوا لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے!

عابدہ سلطان کی بغاوت کو ان کے والد کی پشت پناہی حاصل تھی۔

عابدہ سلطان کا اپنی دادی سے تعلق love hate کا ہے۔ وہ دادی کی وفات کے بعد دادی سے محبت کا اظہار تو کرتی ہیں، لیکن بچپن کی نفرت کو چھپانے کی کوشش بھی نہیں کرتیں۔

اپنی دادی کی علانیہ نافرمانی کرتے ہوئے پردہ ترک کر دینا میری زندگی کا خوشگوار ترین واقعہ تھا۔(۷)

ایک بار پھر مجھے سرکار اماں اور ان سے متعلق ہر چیز سے سخت نفرت ہوگئی،''بوڑھی ظالم آمر، بھوپال پہنچتے ہی اپنے اصل رنگ میں واپس آ گئی۔(۸)

وہ اپنی دادی کا تعارف یوں کراتی ہیں:

جہاں تک سرکار اماں کا تعلق ہے ان کو ایک نرم دل اور گول مٹول جسم والی بغیر دانتوں کی شیرنی کہا جا سکتا ہے وہ دھیمے لہجے میں کم ہی بولتی تھیں۔ زیادہ تر وہ دھاڑتی گرجتی رہتی تھیں۔(۹)

اسی نفرت کی بنا پر انھوں نے دادی کو، جو دنیا بھر کی خواتین کے لیے رول ماڈل تھیں، اپنا آئیڈیل نہیں بنایا اور انھوں نے اپنی دادی کی ان خدمات کا بھی ایسا بھرپور اظہار نہیں کیا جن کا اعتراف تاریخ کرتی ہے۔ مورخین سرکار اماں کا تقابل ملکہ وکٹوریہ سے کرتے ہیں جو کچھ ایسا غلط بھی نہیں۔

سلطان کیخسر و جہاں نواب بیگم آف بھوپال نے بھوپال کا انتظام انتہائی نامساعد حالات میں سنبھالا، لیکن

a fighter by nature, Sultan Jahan resolved to put matters right; rolled up her sleeves and began the uphill task of rehabilitation and revival.(۱۰)

ریاست کا نظام سنبھالنے کے بعد سرکار اماں نے کئی ایک تعلیمی ادارے قائم کیے۔ ۱۹۱۸ء میں لازمی لیکن مفت پرائمری تعلیم کا آغاز کیا انھوں نے طالبات کے لیے ایک اقامتی اسکول قائم کیا، ہسپتال اور زچہ بچہ کی دیکھ بھال کے مراکز قائم کیے۔ وہ قدیم اور جدید کا خوبصورت امتزاج تھیں۔

Sultan Jahan was a master of the art of reconciling tradition and modernity.(۱۱)

سرکار اماں آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کی پہلی صدر منتخب ہوئیں اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی پہلی چانسلر مقرر ہوئیں۔ وہ کئی ایک کتابوں کی مصنفہ بھی ہیں مثلاً ''درس حیات، بچوں کی پرورش، خانہ داری کا پہلا حصہ موسوم بہ ہدایت الزوجین، عفت المسلمات، مقصداز دواج، سفر نامہ حج، خودنوشت، گوہر اقبال، الحجاب'' (۱۲) وغیرہ وغیرہ۔ ان کی کتابوں کو انگریزی میں بھی ترجمہ کیا گیا۔ وہ صرف ریاست بھوپال کی خواتین کے لیے ہی فکرمند نہ تھیں وہ پورے ہندوستان کی خواتین کو زندگی کے ہر میدان میں ترقی کرتے دیکھنا چاہتی تھیں۔ ۱۹۱۳ء میں علی گڑھ میں خواتین اساتذہ کے لیے Normal School کی نئی عمارت کا افتتاح انھوں نے کیا۔ افتتاح کے بعد خواتین کی کانفرنس ہوئی جس کی صدارت انھوں نے کی اور اپنے صدارتی انتخاب میں مسلمان خواتین کے اس اجلاس کو تاریخی یادگار لمحہ قرار دیا۔(۱۳)

لیکن عابدہ سلطان کی خودنوشت کی سرکاراماں اپنے شوہر سے مار کھانے پر نازاں ایک عام عورت ہے جو بیٹوں کی سرکشی سے خوفزدہ ہوجاتی ہے اور جو اپنے چھوٹے بیٹے کوریاست بھوپال کا نواب قرار دلوانے کے لیے شاہ جارج پنجم کے دربار میں نہ صرف رو پڑتی ہے بلکہ بے ہوش بھی ہوجاتی ہے اور آخر مقدمہ جیت جاتی ہے۔(۱۴)

یہ وہ شخصیت ہے جس کی جھلک ہمیں تاریخ کے اوراق نہیں عابدہ سلطان کی خودنوشت دکھاتی ہے۔ یہ اس خود نوشت کا شاید سب سے خوبصورت پہلو ہے۔ایک بات اور____ وہ یہ کہ سرکاراماں کا اپنی پوتی پر وحشیانہ تشدد ایک سطح پر اس خاندان کا کمزور پہلو ہے، لیکن یہ وحشت اس خاندان کے لہو میں گردش کر رہی تھی۔سرکاراماں کے منجھلے بیٹے عبیداللہ کو ان کے تشدد پسند والد سلطان دولہ شدید تشدد کا نشانہ بناتے تھے۔یہی عبیداللہ اپنے بچوں کو سرِعام پیٹتے تھے جس کے نتیجے میں ان کی بیٹی برجیس جہاں اور بیٹے وحید کا انتقال ہوا۔وحید کی دلہن بھی ایسے ہی ظلم وستم کا شکار ہوکر انتہائی کم عمری میں دنیا سے رخصت ہوگئی۔ سرکاراماں خود تسلیم کرتی تھیں کہ یہ ظلم ان کے بیٹوں اور پوتوں کے خون میں رَچا ہوا ہے، لیکن عابدہ سلطان خوش قسمت تھیں کہ دادی کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ بننے کا سلسلہ قرآن پاک کی تعلیم مکمل ہونے کے ساتھ ہی ختم ہوگیا۔

عابدہ سلطان نے چودہ برس کی عمر میں مردانہ وضع قطع اپنالی تھی جسے انھوں نے اپنی بغاوت قرار دیا ہے۔مردانہ ہیئر سٹائل، پتلون قمیض یا کوٹ پتلون پہناوا، جبکہ گھڑسواری، تیراکی، پولو، ہوابازی، سکواش، سگریٹ نوشی، شیر کا شکار اُن کی ساری زندگی کا معمول رہا۔ان کی تصاویر دیکھیں تو مردوں کے درمیان ہاتھ میں سلگتا سگریٹ لیے ان کی نشست کا انداز نسوانیت سے قطعی عاری ہے۔اس ''مردانگی'' کی وجہ وہ یہ بیان کرتی ہیں:

> سب سے پہلی وجہ تو یہ تھی کہ میں اس بات کی آرزومند تھی کہ لوگ مجھے مردوں سے کم نہ سمجھیں جب کہ میں وہ واحد لڑکی تھی جو اپنے والد کے خاص الخاص مردانہ حلقۂ احباب میں بھی ان کے ساتھ رہتی تھی اور پولو، شکار، ہاکی اور اسکواش بھی کھیلتی تھی۔۔۔۔دوسری وجہ میری باغیانہ فطرت تھی جو سرکاراماں کے خلاف اُبھارتی رہتی تھی۔(۱۵)

لیکن مجھے ان کی اس بات سے اختلاف ہے کہ وہ دنیا پر ثابت کرنا چاہتی تھیں کہ انھیں مردوں سے کم نہ سمجھا جائے اس لیے کہ ان کی تربیت پہلے دن سے ہی ایسی کی گئی تھی کہ آپ یہ کہہ ہی نہیں سکتے کہ وہاں ایسا کوئی complex تھا کہ یہ لڑکی ہیں اور کسی اعتبار سے لڑکوں سے کم تر ہیں۔ان کی اسلاف خواتین کی خوبیوں کا تذکرہ ہو چکا ہے۔بھوپال کا معاشرہ اور خاص طور پر ان کا اپنا خاندان حد سے زیادہ مغرب زدہ خاندان تھا وہاں عورت اور مرد کے بارے میں مشرقی تعصّبات کا کوئی ذکر نہ تھا۔نفسیاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو ہمارے اجتماعی لاشعور میں کچھ ایسے سانچے موجود ہیں جو ہمارے آج کے رویوں کو متعین کرتے ہیں یوں بھی ہم Bisexual لوگ ہیں۔ ہر مرد کے اندر ایک نسائی اور ہر عورت کے اندر ایک مردانہ ہم زاد ہوتا ہے یونگ اسے Anima اور Animus کہتا ہے۔

> Animus: the masculine archetype in women is called animus. It belongs to the collective unconscious and originates from the encounters of prehistoric women with men.(۱۶)

ان کا مردانہ ہم زاد ان پر حاوی رہا اور شاید اسی لیے انھیں مردوں کی بانہوں میں سمٹنا بھی پسند نہیں تھا(۱۷)، کہ کسی مضبوط مرد کی بانہوں میں سمٹنے والی تو نازک اندام دوشیزائیں ایک ادا سے سمٹتی ہیں اور یہاں ۷۲ شیروں کو مردانہ وار شکار کرنے والی عابدہ سلطان کو عشووں غمزوں سے کیا نسبت! ایسے کردار cruel بھی ہوتے ہیں اور aggressive بھی اور ایسی خواتین دراصل معاشرے کی male values کو طاقت دیتی ہیں اور مردوں کے انداز اپناتی ہیں۔

میرے نزدیک ان کا یہ انداز ان کی والد سے بے انتہا محبت کا بھی نتیجہ ہے۔ عابدہ سلطان اپنے والد سے بے حد متاثر تھیں۔ انھوں نے اس خودنوشت میں کئی ایک مقامات پر اپنی اس پرستش کا ذکر کیا ہے وہ اپنے والد کے ساتھ کھیلوں میں شریک رہتی تھیں، شیر کے شکار میں ان کی ہمراہی تھیں، ریاست کے اُمور نمٹانے میں ان کی معاون تھیں اور ان سب سے بڑھ کر اپنے والد کے رومانی معاملات میں ان کی راز دار ہوتی تھیں۔

> دورۂ لندن کے زمانے میں مجھے پہلی دفعہ اندازہ ہوا کہ میرے اور میرے والد کے درمیان ایک خاص تعلق موجود ہے۔ میں دور دور سے ان کی پرستش کرتی تھی اور ان کی طرح کھیلوں اور خطرے کے کام کرنے کی لت رکھتی تھی۔ وہ ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کرتے اور مجھے سرکار اماں کے غیض وغضب سے بچاتے تھے۔(۱۸)
>
> اپنے والد سے ان کی تمام بیٹیوں کی نسبت میں زیادہ قریب تھی۔ میں اس وقت سے ان کی پرستش کرتی تھی جب انھوں نے مجھے سرکار اماں کے سخت پردے کے چنگل سے بچایا تھا۔۔۔۔ میں ان کے پولو اور شکار کی ساتھی، ان کی دوست اور گن گانے والی۔(۱۹)

وہ ان کے آئیڈیل تھے انھوں نے اپنے والد کی خوبیوں کا والہانہ تذکرہ کیا ہے اور نہ صرف تذکرہ کیا خود کو بھی انھی جیسا بنانے کی کوشش کی۔ یہ ان کا الیکٹرا کامپلیکس ہے۔ الیکٹرا اگامم نون کی بیٹی تھی جس نے اپنے باپ کی قاتل ماں اور اس کے آشنا کو قتل کر دیا(۲۰)۔ یہاں ماں سے نفرت شامل تھی، لیکن عابدہ کا الیکٹرا کامپلیکس positive ہے۔ قدیم یونانی قصوں سے دل چسپی رکھنے والوں کو سائی رس اور اس کی بیٹی مائی را کا قصہ بھی ضرور یاد ہوگا۔

> اور جب باپ نے پوچھا کہ وہ کس سے بیاہ کرے گی تو اس نے شرما کر سرگوشی کی ''کسی ایسے سے جو تیرے جیسا ہوگا۔(۲۱)

عابدہ سلطان کی ازدواجی زندگی ناکام رہی۔ ان کے شوہر میں ایک بھی خوبی ایسی نہ تھی جیسے ان کے والد تھے۔

> چار نسلوں تک بیگمات کی حکمرانی کے بعد میرے والد پہلے مرد حکمران کی حیثیت سے پولو کے نہایت ماہر کھلاڑی، نہایت شاندار نشانہ باز اور زبردست آل راؤنڈر اسپورٹس مین تھے۔ اس کے علاوہ میرے والد نہایت وجیہہ و شکیل بہادر و جری بھی تھے۔(۲۲)

جب کہ دوسری طرف دادا بھائی (نواب آف کوروائی) ان کے شوہر جنسیت زدہ عاشق کے روپ میں سامنے آئے۔ ان میں رقابت کا احساس جگانے کے لیے وہ ان کی سہیلیوں سے محبت جتاتے اور جب کچھ بن نہ پڑتا تو گریہ وزاری کرنے لگتے۔ عابدہ سلطان کو جسمانی اعتبار سے فتح کرنے کے لیے بھی ایسا مرد چاہیے تھا جو مضبوط، زندگی کی حرارت سے بھرپور، بہترین کھلاڑی اور مردانہ وجاہت کا بھرپور نمونہ ہوتا اور انھیں ایسا ''مرد'' نہیں ملا جو انھیں تسخیر کر لیتا۔ یہ گھوڑے پر

سواری اور ہاکی کھیلنے میں مشغول رہیں اور ان کے شوہر جوا ری دوستوں کے ساتھ جوا کھیلنے میں۔ دل چسپ صورتِ حال اس وقت پیدا ہوئی جب یہ ماں بنیں اور انھیں خدشہ ہوا کہ ان کے شوہر ان کا بیٹا چھین لیں گے۔ یہ رات کے ایک بجے پستول لیے اپنے شوہر کی خواب گاہ میں داخل ہوئیں تو وہ رضائی میں چھپ گئے۔

> میں نے اپنا ریوالور نکال کر دادا بھائی کی گود میں پھینک دیا اور بولی، ہتھیار میرا ہے اور بھرا ہوا ہے اسے استعمال کرو اور مجھے قتل کر دو، نہیں تو میں تمھیں قتل کر دوں گی۔ (۲۳)

یہاں بھی جیت انھی کی ہوئی اور پشت پناہی والد کی حاصل رہی۔ ان کے والد کی آئیڈیل شخصیت اس وقت ریزہ ریزہ ہوئی جب انھوں نے ان کی اسکول کی دوست آفتاب جہاں سے دوسری شادی کر لی۔ انھوں نے والد کی دوسری شادی کو قبول کر لیا، لیکن والد کا اہانت آمیز رویہ ناقابلِ برداشت تھا۔ عابدہ سلطان کی شخصیت کا ایک مضبوط پہلو اس وقت سامنے آیا جب ان کے والد نے ان سے سیاسی چال چلنے کی کوشش کی۔ نواب حمیداللہ خان نے بھوپالی عوام کی توقعات اور خواہشات کے برعکس ہندوستان سے الحاق کے معاہدے پر دستخط کر دیے اور عابدہ سلطان پر پستول تان کر کہا کہ وہ ریاست کے تمام اُمور سنبھال لیں کیوں کہ وہ پاکستان جا رہے ہیں (۲۴)۔ یہ صورتِ حال عابدہ کے لیے ناقابلِ یقین تھی لیکن انھوں نے نہایت دور اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے درست وقت میں درست فیصلہ کیا ___ پاکستان جانے کا فیصلہ ___ جہاں وہ بھی محفوظ تھیں اور ان کا بیٹا بھی۔ کمال ہوشیاری اور خاموشی سے انھوں نے تمام تر منصوبہ بندی کی اور اس میں کامیاب بھی رہیں۔ خواتین کو کمزور یا صنفِ نازک سمجھنے والے ایک اعتبار سے احمق ہی ہوتے ہیں۔ بیگماتِ بھوپال کی طرح دنیا کے دوسرے خطے بھی جنگجو خواتین کے تاریخی کارناموں سے آگاہ ہیں۔ ایسی خواتین کے لیے Amazon کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اور یہ اصطلاح سب سے پہلے یونان میں استعمال کی گئی۔ ہومر کی ایلیڈ میں بھی انھیں ایمیزون ہی کہہ کر پکارا گیا ہے، عرب، بربر، کرد، راجپوت، چینی، فلپائنی، آسٹریلین اور امریکی انڈین اپنی فوجوں میں باقاعدہ عورتوں کو بھرتی کیا کرتے تھے۔ ۱۶۹۷ء میں ایک آئرش قانون کے تحت خواتین کے لیے ضروری قرار دیا گیا تھا کہ وہ سپاہی پیشہ اختیار کریں (۲۵)، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر جنگ تیر و تفنگ سے لڑی جائے۔ عابدہ سلطان بھی Amazon تھیں جنھوں نے اپنی محبوب شخصیت کو اپنی ذہانت اور قوتِ ارادی سے شکست دی۔ خودنوشت میں تو انھوں نے یہ ساری صورتِ حال بڑی وضاحت سے بیان کی ہے، لیکن ایک انٹرویو میں انھوں نے اپنی ہجرت کا سبب قطعی مختلف بیان کیا ہے کہ انھوں نے ایسا اس لیے کیا کہ بھوپال کے ہندوؤں کا متعصب رویہ ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا اور بھوپال جیسی متوازن سیاست میں ہندو مسلمان اب بھائی بھائی نہیں رہے تھے (۲۶) اور اپنے والد سے اختلاف کا ذکر قطعی نہیں کیا۔

میں نے ابتدا میں تحریر کیا تھا کہ عابدہ سلطان کے نام کے ساتھ انقلابی اور باغی کا لاحقہ اچھا لگتا ہے، لیکن عابدہ سلطان کی بغاوت اور انقلاب صرف ان کی اپنی ذات تک محدود رہا۔ اپنی بہنوں کے لیے ان کے پسندیدہ مردوں سے شادی کے لیے والد سے بات کرنا یا ناپسندیدہ رشتے داروں سے میل جول رکھنا ایسے ''انقلابی اقدامات'' نہیں جن کی بنیاد پر انھیں یہ ٹائیٹل دیا جا سکے ہاں وہ ایک کھلاڑی بلکہ بہترین کھلاڑی اور شیر کی شکاری ضرور تھیں کیوں کہ جتنا وقت انھوں نے تیراکی، ہاکی، گھڑسواری، پولو اور شکار وغیرہ کو دیا اگر وہ اس کا ایک حصہ بھی جانشین کی حیثیت سے ان کاموں کو دیتیں جو ان کے اسلاف کی

ترجیح رہے تھے تو شاید آج ہم ان سے تعارف کے لیے ان کی خودنوشت کے محتاج نہ ہوتے۔ بقول ان کے انھوں نے پاکستانی خواتین کی حالتِ زار پر مضامین اور پمفلٹ تحریر کیے لیکن محض چند مضامین اور پمفلٹ خواتین کی تقدیر میں کوئی انقلابی تبدیلی کیسے لا سکتے تھے؟ پاکستان آنے کے بعد وہ براہِ راست حاکمان وقت سے رابطے میں رہیں۔ سفارت کے فرائض بھی انجام دیے لیکن حکمرانوں تک رسائی سے ان کے بیٹے کو فائدہ ہوا سو ہوا پاکستانی قوم کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بھوپال میں بھی انھوں نے خواتین کے لیے کوئی ایسا ''یادگار کام'' نہیں چھوڑا جس کا وہ خود بھی تذکرہ کرتیں حتیٰ کہ وہ اپنی مجبور والدہ کو بھی شوہر کے رحم و کرم پر چھوڑ کر پاکستان آ گئیں۔ سکندر مرزا اور یحییٰ خان سے ان کے دوستانہ مراسم رہے لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ جنرل یحییٰ خان کو ہارمونیم سنانے کے بجائے کوئی عقل کی بات سناتیں تو شاید آج وہ اتنا مطعون نہ ہوتا۔

> سیاست پر جب ہماری گفتگو ختم ہو جاتی تو یحییٰ خان مجھے اور کچھ دیر رکنے کو کہتے۔۔۔ اکثر ان شاموں کے اختتام پر میں ہارمونیم بجاتی اور سوسائٹی کی ان خواتین کے ساتھ مل کر گانے گاتی جن کی کافی تعداد محفل میں موجود ہوتی۔ (۴۷)

''روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا۔'' انھیں یہ گلہ رہا کہ پاکستان آنے کے بعد کسی حکومت نے ان کی صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھایا اور یہ بھی کہ وہ ایک گریٹ اسلامی اسکالر تھیں۔ میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ اسلامی اسکالر ہوتے ہوئے انھوں نے اس کا ثبوت کیوں نہیں دیا۔ کسی آمر کے ظلم کے خلاف آواز کیوں نہ بلند کی، خود کو اور اپنے بیٹے کو ان آمروں کی حکومت کا حصہ بنا کر ان کے ہاتھ کیوں مضبوط کیے۔ وہ ایوب، یحییٰ اور ضیاء جیسے مکروہ آمروں کو ایسا ملعون نہیں جانتیں جتنا وہ ذوالفقار علی بھٹو کو ہدفِ تنقید بناتی ہیں اور بھٹو سے منسوب ایک شر انگیز اخبار نویس کی شر انگیز سرخی ''ادھر تم ادھر ہم'' کو اپنی خودنوشت کا حصہ بھی بناتی ہیں۔ وہ یہ بھی بھول جاتی ہیں کہ اسلام میں مردوں کا عورتوں جیسا اور عورتوں کا مردوں جیسا حلیہ اپنانے پر سخت عذاب کی وعید آئی ہے۔ وہ بھوپال اور لندن میں برپا ہونے والی رقص و سرود کی ان محفلوں کا ذکر بھی بلاتکلف کرتی ہیں جن میں ان کی والدہ، بہنیں اور دیگر خواتین اپنے ساتھیوں کے ساتھ بلاتکلف ناچتی تھیں۔

وہ بہت قابل تھیں، اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں، اعلیٰ طبقے کی اعلیٰ خاندان کی بہت نڈر، دُور اندیش، مضبوط قوتِ ارادی کی مالک بہترین کھلاڑی اور شکاری شہزادی تھیں، لیکن وہ جو کچھ بھی تھیں صرف اپنی ذات کے لیے تھیں۔ اپنے علاوہ انھوں نے صرف دو لوگوں سے ٹوٹ کر محبت کی اپنے والد اور اپنے بیٹے سے، ایک کو آئیڈیل بنا کر پرستش کی اور دوسرے کو اس آئیڈیل جیسا بنا کر اپنے خوابوں کو تعبیر دی۔

حوالہ جات

۱۔ Bhopal State, wikipedia, the free encyclopedia

۲۔ Begums of Bhopal, www.answer.com

۳۔ ایضاً

۴۔ عابدہ سلطان، ''عابدہ سلطان-ایک انقلابی شہزادی کی خودنوشت''(مقدمہ) ۲۰۰۷ء، کراچی، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ص۱۷۔

۵۔ ایضاً ص۲۷۔

۶۔ ایضاً ص۱۸۔

۷۔ ایضاً ص۹۲۔

۸۔ ایضاً ص۸۳۔

۹۔ ایضاً ص۱۴۔

۱۰۔ Kaikhusrau Jahan Begum of Bhopal, wikipedia - the fre encyclopedia۔

۱۱۔ Siobhan Lambert Hurley "Muslim Women, Reform and Princely Patronage: Nawab Sultan Jahan Begum of Bhopal", 2007, London and New York, Routledge۔

۱۲۔ انور معظم، اشہر فرحان (مرتبین) وضاحتی اردو کتابیات (عمرانی علوم) جلد دوم، ۲۰۰۸ء، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ص۸۲۹۔

۱۳۔ Sarfraz Hussain Mirza, "Muslim Women's Role in the Pakistan Movement", 1969, Lahore, Research Society of Pakistan, University of the Punjab, Page 30۔

۱۴۔ ''عابدہ سلطان-ایک انقلابی شہزادی کی خودنوشت''، ص۸۰۔

۱۵۔ ایضاً ص۹۳۔

۱۶۔ Feist Jess, Fiest. Gregory, 2002, "Theories of Personality", McGraw Hill, P.103۔

۱۷۔ ''عابدہ سلطان-ایک انقلابی شہزادی کی خودنوشت''، ص۳۷۔

۱۸۔ ایضاً ص۹۱۔

۱۹۔ ایضاً ص۱۹۵۔

۲۰۔ مرزا ابنِ حنیف: ''بھولی بسری کہانیاں (یونان)''، ۱۹۹۶ء، ملتان، بیکن بکس، ص ۱۵۰۔

۲۱۔ ایضاً ص ۳۴۵۔

۲۲۔ ''عابدہ سلطان- ایک انقلابی شہزادی کی خودنوشت''، ص ۹۷۔

۲۳۔ ایضاً ص ۱۳۰۔

۲۴۔ ایضاً ص ۲۰۲۔

۲۵۔ Stieg Larsson, "The Girl who Kicked the Hernet's Nest", 2007, London, Maclehose Press, P.159۔

۲۶۔ Princess Abida Sultan Interview text, www.harappa.com۔

۲۷۔ ''عابدہ سلطان- ایک انقلابی شہزادی کی خودنوشت''، ص ۲۹۱۔